بھی دور کرنا چاہتے ہیں جو اقوام عالم کے مابین تصادم یا مخاصمت کا باعث بنتے ہیں۔ تیز روی سے بدلتے ہوئے حالات سے نبرد آزما آج کی دنیا میں یہ انداز فکر اس اعتبار سے مفید ہے کہ یہ مسائل کو حل کرنے کے ساتھ ساتھ عالمی حکومت کے قیام کے اصل ہدف کو بھی نظرانداز نہیں کرتا۔

☆ مندرجہ بالا مختلف تدابیر اور تجاویز کے تجزیہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ قیام عالمی امن و سلامتی اور اشتراک و تعاون کا فروغ ایسا موضوع ہے جس کا کوئی ایک رخ نہیں اور نہ ہی یہ کوئی سہل کام ہے۔ درحقیقت متعلقہ مسائل اور معاملات نہایت حساس اور ہمہ گیر نوعیت کے ہیں۔ امن و سلامتی پر قائم عالمی نظام کی تعمیر ایک نہایت مشکل کام ہے جس کے حصول کے لئے سعی مسلسل' جانفشانی' عزم صمیم اور زبردست اجتماعی جدوجہد ناگزیر ہے۔ اس طرف پیشرفت کے لئے جہاں حقیقت پسندی سے کام لینا ہو گا وہاں بلند تخیلات اور مثالیت کی بھی بطور تحرک اہمیت مسلم ہے۔ یہ مقصد اس قدر ارفع و اعلیٰ ہے کہ تمدن انسانی کی بقا کے لئے اس جانب استقامت سے پیشرفت جاری رہنی چاہئے اور کسی بھی مرحلہ پر حوصلہ اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

☆ فعالیت پسندوں Functional Approach کا مکتبہ فکر قیام امن و سلامتی یا سیاسی تعاون سے بھی زیادہ معاشی اور سماجی شعبوں میں بین الاقوامی اشتراک و تعاون پر زیادہ زور دیتا ہے۔ ان کے نزدیک سرکاری سطح پر ریاستوں کے مابین تعاون کے پہلو پر زور دینے سے زیادہ موزوں یہ بات ہے کہ دوسرے شعبوں میں تعاون کو فروغ دیا جائے۔ اس طریق کار سے ریاستوں کے مابین سیاسی طور پر اشتراک و تعاون میں خود بخود اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ نیز تصادم و کھنچاؤ کی سی کیفیت میں کمی واقع ہوگی۔ عالمی حقائق اس بات کے شاہد ہیں کہ اقوام متحدہ کو تنازعات کے تصفیہ اور تصادم کی کیفیت میں کمی کرنے جیسے مقاصد میں اتنی کامیابی حاصل نہیں ہوئی جتنی کہ ثقافتی و معاشی شعبہ میں عالمی تعاون کے فروغ کے سلسلہ میں حاصل ہوئی ہے۔ ایسی ہی وجوہات کی بنا پر اس انداز فکر کے حامی متذکرہ شعبوں میں عالمی تنظیموں کی تعداد بڑھانے اور انہیں مزید موثر بنانے پر زور دیتے ہیں۔ بنابریں اقوام عالم کے مابین معاشی و سماجی تعاون سیاسی یکجہتی کے حصول کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

☆ ایک اور مکتبہ فکر ان بنیادی انسانی مسائل کو حل کرنے پر زور دیتا ہے جو اقوام عالم کے مابین تنازعات کا اصل محرک بنتے ہیں۔ سماجی و معاشی برائیوں کے تدارک کے لئے وہ زیادہ مؤثر اور منظم اقدامات رائج کرنے کے قائل ہیں۔ نیز حصول مقصد کے لئے وہ وسیع پیمانے پر عالمی اداروں کے قیام کے حق میں ہیں۔ اس انداز فکر کو پیش کرنے والے قومی افواج پر کثیر اخراجات مختص کرنے کے بھی مخالف ہیں۔ وہ قومی دولت کو جہالت' غربت' بھوک' افلاس اور نسلی امتیازات جیسی برائیوں کے تدارک کے لئے خرچ کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ بلاشبہ دور رس نتائج حاصل کرنے کے اعتبار سے ان کی تجاویز قابل قدر ہیں۔ اس انداز فکر کو اصطلاحاً Curative Approach کہا جاتا ہے۔

☆ عالمی امن کے قیام کے ضمن میں ایک نکتہ نظر حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے اس بات پر زور دیتا ہے کہ اہداف کی طرف بتدریج پیشرفت کی جائے اور اس ضمن میں ترجیحات کا پہلے سے تعین کر لیا جائے۔ تاہم اس قسم کی سوچ سے عبارت منصوبہ بندی میں وقت کی تیز رفتاری سے مات کھا جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ نیز معترضین اس بات کی بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ عالمی سطح پر وسیع تر منصوبہ بندی حالات کے جبر کے سامنے بالعموم بے بس ہو جایا کرتی ہے۔ تاہم اس نکتہ نظر کی اس اعتبار سے افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے عملیت پسندی Pragmatism اور حقیقت پسندی پر مبنی سوچ کو اجاگر کیا ہے۔

☆ مختلف النوع مسائل کے تناظر میں امن کی طرف پیشرفت کرنے کے حامی دانشور اس ضمن میں ترجیحات کا تعین کر کے آگے بڑھنے کے قائل ہیں۔ یعنی وہ فوری حل طلب مسائل اور طویل المیعاد زمرے میں شمار کئے جانے والے توجہ طلب مسائل کے مابین امتیاز کر کے منصوبہ بندی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا متمائے مقصود بھی عالمی حکومت کا قیام ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ ان اسباب کو

دور حاضر کے مسلمان دانشوروں نے اسلامی تعلیمات کو قابل عمل اور مؤثر حیثیت سے پیش کیا ہے۔ نیز تحقیق و تجسس کا عمل تیزی سے جاری ہے۔ ایران' سوڈان' افغانستان' ملائیشیا' پاکستان اور بعض دوسرے ممالک میں اسلامی اقدامات کے سلسلہ میں ماڈل استوار ہوئے ہیں۔ جب کہ خود مغربی دنیا میں مسلمان علماء و دانشوروں کے منظم گروہ فعال ہیں۔ یہ حالات مغربی تہذیب کے مدمقابل کے طور پر اسلامی دنیا کے مستحکم ہونے کا اشارہ دے رہے ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ تہذیبوں کے باہمی تعلقات آئندہ تصادم کی کیفیت ہی کے مظہر ہوں۔ عالم اسلام اور اہل مغرب کے مابین مسابقت کے امکانات کے ساتھ ساتھ پرامن بقائے باہمی کا زیادہ امکان ہے۔

بین الاقوامیت کے فروغ کے لئے تدابیر

بین الاقوامیت یعنی عالمی امن و سلامتی و اشتراک و تعاون کا فروغ ایک عرصہ سے اقوام عالم کی دیرینہ خواہش ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر قوم اپنے قومی مفادات اور اپنی قومی سوچ و فکر کے تناظر میں اس کے حصول کی خواہاں ہوتی ہے۔ دانشوروں اور محققین نے اس مسئلہ سے متعلق تجزیوں اور تدابیر کی شکل میں لاتعداد تصانیف مرتب کیں اور مقالے لکھے۔ تاہم عالمی مسائل اسقدر گہرے' ہمہ سمتی اور حساس نوعیت کے ہیں کہ انہیں حل کرنے کے متعلق بیشتر تدابیر و نظریات محض تخیلاتی' نظری اور کاغذی منصوبے معلوم ہوتے ہیں۔ کسی مکتبہ فکر نے پرامن بقائے باہمی اور تنازعات کے پرامن حل پر زور دیا تو بعض نے اسباب جنگ دور کرنے پر توجہ مرکوز کئے رکھی۔ بعض دانشوروں نے مختلف النوع تحفظاتی طریقے متعارف کرانے کی تجاویز دیں۔ جارحیت کے تدارک کے لئے بعض مثبت تجاویز دیکھنے میں آئیں۔ تخیلات پر مبنی بعض تجاویز تو موجودہ ریاستی نظام کا خاتمہ کر کے عالمی حکومت کی طرف پیشرفت کی حامی ہیں۔ بعض تجاویز کے مطابق موجودہ قومی حکومتوں پر مشتمل عالمی نیم وفاق قائم کرنے کو مسئلہ کا قابل عمل حل متصور کیا گیا۔ جب کہ بیشتر تجاویز میں بین الاقوامی قانون کے نفاذ اور اسلحہ پر کنٹرول سے متعلق فیصلوں کو پوری تندہی سے نافذ کرنے پر زور دیا گیا۔ مختصراً اس ضمن میں پانچ مختلف قسم کے نکتہ ہائے نظر کو پذیرائی حاصل ہوئی جنہیں ذیل میں دیا گیا ہے۔

☆ بعض دانشوروں کے نزدیک بین الاقوامی تعاون کے فروغ اور قیام امن و سلامتی کے سلسلہ میں عالمی سطح پر تنظیمیں قائم کرنے کا مروجہ طریق کار کافی بار آور ثابت ہوا ہے۔ مختلف شعبوں میں عالمی اداروں' ایجنسیوں اور تنظیموں نے بین الاقوامیت کا شعور بیدار کیا ہے۔ چنانچہ اقوام متحدہ' اس کے ادارے و ایجنسیاں' تنظیمیں' عالمی تجارتی معاہدات' علاقائی اتحاد و معاہدات جیسے کہ عرب لیگ' یورپی کمیونٹی' SAARC' ASEAN وغیرہ کا قیام متذکرہ مقاصد کی طرف پیشرفت کے سلسلہ میں مفید ثابت ہوا ہے۔ دانشوروں کی اس قسم کی سوچ کو Institutional Approach کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس کے حامی عالمی تنظیموں کے قیام اور انہیں مزید موثر بنانے پر زور دیتے ہیں۔

کی عدم موجودگی کو بھی محسوس کیا جاتا ہے۔ عالمی تنظیم کو درپیش چیلنجز کی نوعیت سنگین ہے جب کہ یہ ریاستوں کے باہمی تنازعات کو سلجھانے میں بری طرح الجھی ہوئی ہے۔ اسے تعمیر نو اور آبادکاری کے امور بھی سرانجام دینا ہوتے ہیں۔ صومالیہ، روانڈا اور بوسنیا کے اندر حالیہ واقعات نے اس کا رہا سہا بھرم بھی ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ علاقائی گروہ بندیوں کے قیام کے بعد سے تجارتی مقابلہ بازی کے باعث اب اقوام متحدہ کے مفادات کی پرواہ نہیں کی جاتی۔

تیسری دنیا کے ممالک مغربی ممالک کی اجارہ داری ختم کرنے کے لئے حفاظتی کونسل کی تشکیل نو کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ حفاظتی کونسل میں بھارت مستقل نشست حاصل کرنے کی تگ و دو کر رہا ہے جب کہ پاکستان کا اسلامی بلاک کی طرف سے مستقل نشست حاصل کرنے کا حق فائق ہے۔ چارٹر میں موجودہ تمام مسائل کے حل کی گنجائش موجود ہے لیکن اس کے لئے رواداری اور خیر سگالی کے جذبات کا موجزن ہونا ضروری ہے۔ بڑی طاقتوں پر اس ضمن میں زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ عام تاثر یہ ابھر رہا ہے کہ اقوام متحدہ کے ادارے اور ایجنسیاں امریکی سرپرستی میں قائم عالمی نظام کے مقاصد کے حصول کے لئے بطور آلہ کار فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔ ان حالات میں عالمی عدل و انصاف کے حصول کی جو توقع عالمی تنظیم سے وابستہ کی گئی تھی اسے نقصان پہنچ رہا ہے۔

زیر سطح تبدیلیاں Underlying Changes: مستقبل میں قوی قوت کے عناصر میں تبدیلی کے ساتھ سیاسی تبدیلیوں کو بھی اہمیت حاصل ہو گی۔ کل کو ممکن ہے دنیا میں طاقت کا نیا توازن پیدا کرنے کے لئے چین روس اور جاپان اکٹھے ہو کر مغربی دنیا کی بالادستی کو چیلنج کر دیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خود مغربی طاقتوں کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا عمل پوری طرح شروع ہو جائے۔ ادھر افریقہ بھی جاگ رہا ہے۔ بیداری کی یہ لہر کیا صورت اختیار کرتی ہے وقت آنے پر ہی پوری طرح معلوم ہو سکے گا۔ بہرحال تبدیلی ناگزیر معلوم ہوتی ہے۔ اس بات کا امکان غالب ہے کہ مذہب خصوصاً اسلام کے نام پر تمام مسلمان متحد ہو جائیں جس کے واضح شواہد محسوس کئے جا رہے ہیں۔ یعنی دو ارب تیس کروڑ نفوس پر مشتمل مسلم دنیا میں امت واحدہ کی حیثیت سے بیداری کا امکان پایا جاتا ہے۔

تہذیبوں کا تصادم کے حوالہ سے مغربی دانشور بھی اس قسم کی صورت حال کے رونما ہونے کا امکان ظاہر کر رہے ہیں۔ درحقیقت سوویت یونین کے تنزل کے بعد جس طرح عالمی سطح پر "توازن طاقت" کے حوالہ سے خلا پیدا ہوا ہے خیال ہے کہ یہ صورت حال مستقل طور پر قائم نہ رہ سکے گی۔ اگرچہ بیشتر مسلم حکومتیں لادینیت کی راہ پر گامزن ہیں لیکن مسلمانوں کے اندر بحیثیت مجموعی تیزی سے ملی شعور بیدار ہو رہا ہے۔ مسلم دنیا میں وسائل کی کمی نہیں۔ تعلیم اور سائنس کے میدان میں بھی وہ آگے بڑھ رہے ہیں۔ مغربی تہذیب کی زیادتیوں کے ردعمل کے طور پر ان میں ملی تشخص مستحکم ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی فکر میں جدید علوم سے استفادہ کی بنا پر نکھار پیدا ہوا ہے۔

تعاون اور معاشی نوعیت کے ترقیاتی پروگرامز میں اضافہ کے باعث معیار زندگی بلند ہو گا۔

☆ قومی قوت میں فوجی قوت کا تعلق سیاسی' معاشی اور ٹکنالوجیکل استطاعت سے مزید گہرا ہو جائے گا۔ نیز جوہری طاقت کی اہمیت مزید بڑھ جائے گی۔ سمندروں' فضا اور خلاء میں فوجی تنصیبات قائم کرنے کی دوڑ میں اضافہ ہونے کی توقع ہے۔ آئندہ اجتماعی تحفظ Collective Security کی مختلف صورتوں کے رونما ہونے کی توقع ہے نیز فوجی قوت کی اہمیت بدستور موجود رہے گی۔

قومی قوت کے غیر مرئی عوامل Intangible Factors قومی قوت کے غیر مرئی عوامل یعنی ڈپلومیسی' قیادت' سیرت و کردار' حوصلہ و جرات وغیرہ کو اہمیت حاصل رہے گی۔ بین الاقوامی تعلقات میں ریاستوں کے باہمی تعلقات کو بحسن و خوبی استوار کرنے کے سلسلہ میں ڈپلومیسی کو اہم مقام حاصل رہے گا۔ تاہم آئندہ یہ عالمی سطح پر زیادہ روبہ عمل ہو گی کیونکہ اب غیر مغربی دنیا بھی اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ تاہم اس کی سمتیں اور جہتیں بھی وسیع ہوں گی۔ قیادت کی اہمیت اور حسن کارکردگی عالمی حالات کا رخ متعین کرنے میں بدستور قائم رہے گی۔ سیاسی قیادت اور سیاسی فیصلہ سازی' بین الاقوامی تعلقات کے شعبہ کی تحقیق کے میدان میں اہم موضوعات ہوں گے۔ قومی سیرت و کردار' عزم و حوصلہ کو جس طرح ماضی میں اہمیت حاصل رہی آئندہ بھی قوموں کی تقدیر بدلنے میں اس قسم کا جذبہ زیادہ اہمیت کا حامل ہو گا۔ اسے بروئے کار لانے کے لئے حکومتیں فروغ تعلیم اور پراپیگنڈہ کا زیادہ استعمال کرنے پر زور دیں گی۔

عالمی تنظیم کا کردار: خیال ہے کہ اقوام متحدہ کے زیر سایہ عالمی فعال تنظیمیں زیادہ سرگرم عمل رہیں گی۔ ان کے ساتھ ساتھ ریاستوں کی علاقائی دھڑے بندیاں بھی جاری رہیں گی۔ نیز علاقائی دھڑوں کی تعداد میں اضافہ ہو جانے کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک بین الاقوامی قانون کا تعلق ہے' اس میں مزید وسعت اور نکھار پیدا ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن کسی بھی مرحلہ پر وہ ملکی قانون Municipal Law کی طرح مؤثر نہ ہو سکے گا۔ عالمی تعلقات میں عدم استحکام و کھنچاؤ کی کیفیت سے چھٹکارا تو ممکن نہیں لیکن جوہری خطرہ سے نپٹنے کے لئے اقوام عالم میں متعدد شعبوں میں تعاون بڑھنے کا امکان غالب ہے۔ لیکن طاقت ور اور امیر ممالک کو عالمی امور پر بالادست حیثیت حاصل رہے گی۔

سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد خیال تھا کہ اقوام متحدہ مؤثر و مثبت کردار کی حامل ہو گی۔ مئی ۱۹۹۴ء میں حفاظتی کونسل نے قیام امن پر مشتمل کارروائیوں کو مؤثر بنانے کے ضمن میں واضح طور پر چند رہنما اصول بھی پیش کئے۔ تاہم ماضی قریب کے واقعات کا جائزہ لیا جائے تو اقوام متحدہ اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب نظر نہیں آتی۔ فنڈز کی کمی اس کی کارکردگی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ علاوہ ازیں اپنے غیر معمولی فیصلوں کو نافذ کرنے کے لئے اس کے پاس اپنے مستقل فوجی دستوں

یعنی ہر چیز کا سستا اور آسان نعم البدل تلاش کرنے کا عمل جاری رہے گا۔ چنانچہ نئے Alloys اور Synthetics کی تیاری سے معدنیات کی کمی کو پورا کرنے کا عمل تیز تر ہو گا۔ نیز جوہری قوت اور شمسی توانائی وغیرہ جیسے سرچشموں سے استفادہ کر کے موجودہ وسائل کی کمی کو پورا کیا جائے گا۔

مستقبل کے عالمی نظام میں غریب و امیر اقوام کے مابین وسائل کی تقسیم کے اعتبار سے عدم مساوات موجود رہے گی۔ فی کس آمدنی کے اعتبار سے تھوڑی بہت کمی بیشی واقع ہو گی لیکن بنیادی طور پر عالمی معاشی صورت حال میں کسی بڑی مثبت تبدیلی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یعنی دنیا کے وسائل پر چند امیر اقوام کی بالادستی بدستور برقرار رہے گی۔

☆ تکنیکی ترقیوں اور سائنسی ایجادات میں پیشرفت کا سلسلہ تیزی سے جاری رہے گا۔ بعض اشیاء اور خام مال کی اہمیت میں بھی کمی بیشی کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس ضمن میں مستقبل کی تصویر جو ذہن میں ابھرتی ہے وہ متعدد سوالات کو جنم دیتی ہے۔ مثلاً سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آئندہ تیل کی جگہ جوہری توانائی یا شمسی توانائی پوری طرح لے سکے گی؟ افراد کی عمر میں اضافہ کے سیاسی مضمرات کیا ہوں گے بالخصوص اگر یہ بڑھ کر ۸۰ یا نوے سال تک پہنچ گئی؟ اسی طرح اس قسم کی ترقیوں کے مضمرات کیا ہوں گے؟ مثلاً اگر زرعی پیداوار میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا؟ زیادہ بارشوں پر قابو پا لیا گیا؟ سمندری پانی کو زیر استعمال لانے کی وافر سہولت حاصل ہو گئی اور زمین کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ کے لئے نئے کیمیکلز ایجاد ہو گئے؟ یا پھر مصنوعی ربڑ نے قدرتی ربڑ کی اہمیت ختم کر کے رکھ دی؟ تو ان سب عوامل کے متعلقہ ممالک کی معیشتوں پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

ترقی کا اس قسم کا رجحان جاری رہا تو پیچیدہ مسائل مزید خطرناک مضمرات کے حامل ہوں گے۔ مثلاً اون، ریشم اور کھالیں برآمد کرنے والے ممالک کی معیشتوں کا کیا حال ہو گا اگر ان سب کے نعم البدل بنا لئے گئے؟ اگر سائنس دانوں نے کیپسول کی صورت میں انسانی خوراک تیار کر دی تو زرعی اجناس کا انفراسٹرکچر کس حد تک متاثر ہو گا؟ ایک آفاقی زبان کی نشوونما کے سیاسی مضمرات کیا ہوں گے؟ اگر ہر خطہ میں بہتر معیار زندگی قائم ہو گیا اور پراپیگنڈہ کی مزید ترقیاتی شکلیں اجاگر ہو گئیں تو موجودہ اداروں کی نوعیت کیا ہو گی؟ اگر کل کو معاشی جنگ و جدل کے حوالہ سے نئے طریقے اور زیادہ مؤثر ہتھیار پیدا ہو گئے؟ ظاہر ہے مستقبل میں توانائی کے وسائل میں بہت اضافہ ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ توانائی کے سرچشموں کی اہمیت میں بھی تبدیلی رونما ہو گی۔ مثلاً ماضی میں انسانی اور حیوانی توانائی کو اہمیت حاصل رہی لیکن کل کو اگر شمسی یا جوہری توانائی پوری طرح توانائی کا سرچشمہ بن گئی تو کیا صورت حال پیدا ہو گی؟ ظاہر ہے اس سے انسانی زندگی اور اس کے سماجی و معاشی اور عالمی تعلقات میں تبدیلیاں واقع ہوں گی۔ اگر آئندہ انسان کی تباہی پھیلانے کی قوت میں مزید اضافہ ہوا تو خیر و شر کی قوت میں بھی اسی تناسب سے اضافہ ہو گا۔ لہٰذا ان تکنیکی ترقیوں کے پس پشت یہ سوال زیادہ اہم ہے کہ خود انسان کے عزائم کیا ہیں؟ تاہم یہ بات عیاں ہے کہ تکنیکی

رہے گی تاہم اس کے مختلف عوامل کی اہمیت میں کمی بیشی ہوتی رہے گی۔ ذیل میں مختصر طور پر ان کی نشاندہی کی گئی ہے:

☆ جہاں تک "توازن طاقت" Balance of Power کا تعلق ہے اس سلسلہ میں متعدد نکتہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ بین الاقوامی سیاست کے بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد موجودہ دور میں اس کی اہمیت نہیں رہی اگرچہ یہ اصول یورپ کی حد تک عالمی سیاست کے حوالہ سے ایک عرصہ تک کامیابی سے ہمکنار رہا۔ لیکن آج کے عالمی منظر پر بہت سے عوامل یعنی ایکٹرز کی موجودگی کے باعث یہ غیر اہم اصول بن چکا ہے۔ تاہم بعض دوسرے دانشور اسے اب بھی اہم اصول سمجھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ علاقائی تصادموں کو روکنے میں یہ اصول آئندہ بھی کارگر ثابت ہو گا۔ خیال ہے کہ اقوام کے مابین توازن طاقت کو اپنے حق میں کرنے کی تگ و دو جاری رہے گی۔ نیز تنازعات کے پرامن تصفیہ کی طرف رغبت بڑھے گی۔ روایتی ڈپلومیسی کو بھی استعمال کیا جاتا رہے گا۔ تاہم ڈپلومیسی کا ایک اہم مقصد تجارتی و صنعتی مفادات کا فروغ ہو گا۔

☆ قومی قوت کے حوالہ سے جغرافیائی خدوخال کی اہمیت کو ہر دور میں اہم سمجھا جاتا رہا ہے لیکن دور حاضر میں مواصلاتی اور ذرائع نقل و حرکت کی محیر العقول ترقیوں کے باعث ان کی اہمیت کا نئے انداز سے تعین کرنا ہو گا۔ آج پوری دنیا ایک وحدت بن چکی ہے جب کہ سائنس دانوں کی سیاروں اور خلائی تسخیر میں دلچسپی بڑھ رہی ہے۔ سپر سونک طیاروں کی موجودگی اور گائیڈڈ میزائل کے اس دور میں جغرافیائی عوامل کے حوالہ سے سیاسیات کے مطالعہ میں پہلی سی دلچسپی مفقود نظر آتی ہے۔

☆ انسانی تاریخ میں کبھی بھی آبادی میں اس قدر تیزی سے اضافہ نہیں ہوا۔ اس حقیقت کے عالمی تعلقات پر گہرے اثرات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ترقی یافتہ ممالک کی شرح پیدائش و اموات میں کمی واقع ہوئی ہے جب کہ بوڑھے افراد کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جو بذات خود ایک مسئلہ ہے۔ جب کہ غیر ترقی یافتہ ممالک کو بڑھتی ہوئی آبادی کے دباؤ اور وسائل کی کمی کا سامنا ہے۔ چنانچہ تقریباً سب ممالک کو آبادی میں متذکرہ تبدیلیوں' ان کے مضمرات اور اثرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

☆ قدرتی وسائل کی اہمیت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اس ضمن میں نئی نئی ایجادات بھی اہمیت کی حامل ہیں۔ ترقی پذیر ممالک زرعی ترقی پر توجہ مرکوز کر کے فائدہ میں رہ سکتی ہیں۔ تاہم خام مال اور تکنیکی ترقیوں کی اہمیت برقرار رہے گی۔ مغربی دنیا کو معدنیات میں فوقیت حاصل ہے جب کہ اس حوالہ سے ایشیا بھی بہت پیچھے نہیں۔ خیال ہے کہ پیداوار کے حوالہ سے خطوں کے مابین زیادہ فرق نہیں رہے گا۔ افریقہ اور قطبین میں وافر معدنیات موجود ہیں جن سے پوری طرح استفادہ نہیں کیا جا سکا۔ لہٰذا آئندہ تکنیکی ترقیوں اور سائنسی مہارتوں کو اولیت حاصل رہے گی۔

نظام کو مستحکم اصولوں پر استوار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام اقوام کے اندر یکجہتی و یگانگت کی فضا کو فروغ حاصل ہو تاکہ باہمی اعتماد بڑھے۔

۷۔ آفاقی فکر اور اس کی جہتیں: ماضی میں بعض اقوام نے اپنے قومی مقاصد کے حصول کی خاطر اپنی قومی آئیڈیالوجی کو آفاقی رنگ کی صورت میں پیش کیا۔ قدیم دور میں سکندر اعظم' اس کے بعد جیولس سیزر وغیرہ نے ساری دنیا پر حکومت کرنے کا عزم کیا۔ اسلام آفاقی مذہب ہونے کی بنا پر عالمی اسلامی انقلاب کا داعی ہے۔ قرون وسطیٰ میں اسلام افریقہ اور ایشیا میں تیزی سے پھیلا جب کہ سلطنت عثمانیہ کے دور میں اس کی حدود مشرقی یورپ تک وسیع تھیں۔ نپولین نے بھی سلطنت کی حدود کو وسعت دینے کے لئے اپنے جارحانہ عزائم کی تکمیل کے لئے فکری اساس استوار کی۔ بیسویں صدی میں مارکسی انقلاب کو پذیرائی حاصل ہوئی۔ دنیا کے بہت بڑے حصہ میں مختلف ممالک کے اندر یہ انقلاب رونما ہوا جس کے پس پشت عالمی پرولتاری انقلاب کا ہمہ گیر تصور کار فرما تھا۔ تاہم سوویت یونین کے تنزل کے بعد مغربی لبرل ازم اور اشتراکی ممالک کے مابین سرد جنگ کی سی کیفیت ختم ہو گئی اور اس کی جگہ اب امریکہ کی سرپرستی میں نیا عالمی نظام مسلط ہو گیا ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کے لبادہ میں عملی طور پر مغربی فکر' مغربی تمدن اور اس سے ہم آہنگ پالیسیوں کو دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں بھی اثر و نفوذ حاصل ہوا ہے۔ آزاد معیشت' بنیادی حقوق اور جمہوریت کے تحفظ جیسے خوش کن نعروں کی آڑ میں ایک منفرد نوعیت کا سامراجی عالمی نظام روبہ عمل ہے۔ تہذیبوں کے ٹکراؤں کے پس منظر میں اب مغربی تہذیب کو اسلامی تمدن سے ٹکراؤ کا خطرہ درپیش ہے جسے وہ اسلامی بنیاد پرستی کا نام دیتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے متعلق خارجہ پالیسی سازی میں اسی پہلو کو اہمیت دی جا رہی ہے تاکہ مسلمانوں کی طرف سے متوقع ردعمل کی صورت میں پہلے سے پیش قدمی کی جا سکے۔

بین الاقوامیت کا مستقبل: خدشات و امکانات

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عالمی امن و سلامتی اور اشتراک و تعاون کے حوالہ سے مستقبل کے امکانات و خدشات کیا ہو سکتے ہیں؟ ذیل میں امکانی پیشرفت اور تبدیلیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ایسے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے: مثلاً یہ کہ مستقبل میں قومی قوت National Power کے عوامل کون سے ہوں گے اور ان کی نوعیت کیا ہو گی؟ مستقبل کے عالمی معاشرہ کو درپیش مسائل کی عمومی نوعیت کیا ہو گی؟ وہ کون سے حالات اور کیفیات ہوں گی جو ان مسائل کو جنم دینے کا باعث بنیں گی؟ چنانچہ عالمی اشتراک و تعاون کے فروغ اور امن و سلامتی کے قیام کے ضمن میں چند نکتہ ہائے نظر کا احاطہ کیا گیا ہے اور پھر آئندہ کے امکانات کا اجمالی خاکہ مرتب کیا گیا ہے۔

قومی قوت کے عوامل: قومی قوت کو بین الاقوامی تعلقات میں بدستور مرکزی حیثیت حاصل

ممالک سے بری طرح مات کھا جاتے ہیں۔ دوسری طرف عالمی مالیاتی اداروں کا کردار بھی ان کے خلاف انتہائی منفی رہا ہے۔ مختلف قسم کے ہتھکنڈوں اور ترغیبات کے ذریعہ وہ نئی اقوام کو اپنی شرائط پر قرضوں کے جال میں جکڑ لیتے ہیں۔ قرضوں میں جکڑی ہوئی معیشتیں امیر ممالک کی صنعتوں کا مقابلہ کرنے سے تہی دامن نظر آتی ہیں۔ سرمایہ کاری کے ضمن میں جدید ہتھکنڈوں کے مضمرات کا مشرقی ایشیا کے چند ممالک کو حال ہی میں تلخ تجربہ ہوا ہے۔ امیر ممالک کے سرمایہ کار بڑی ہوشیاری سے پہلے وسیع پیمانے پر سرمایہ کاری کرتے ہیں اور پھر یکدم سرمایہ نکال کر سٹہ بازی کے ذریعہ بازار حصص کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ پھر اپنا سرمایہ کئی گنا بڑھا کر یہ لوگ واپس لے جاتے ہیں جب کہ کمزور معیشت والے ممالک کو کساد بازاری اور مفلوک الحالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ واضح ہو کہ بنکاری کی جدید سہولتوں کے باعث سرمایہ کاری کرنے اور نہایت سرعت سے سرمایہ نکالنے کا عمل مواصلاتی ترقیوں کے باعث ممکن ہو چکا ہے۔ معیشتوں کی گلوبلائیزیشن کا یہ عمل مستقبل کے لئے قوموں کے استحصال کے لئے نئے نئے مضمرات کا حامل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس سے ترقی یافتہ امیر ممالک اور پسماندہ ممالک کے مابین دنیا کے وسائل و دولت کی تقسیم کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جا رہی ہے جو بین الاقوامیت کی فضا کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔

۶۔ جدید سامراجیت اور نو آبادیاتی نظام کی باقیات: اگرچہ تیسری دنیا سے نو آبادیاتی نظام کا خاتمہ ہو چکا ہے لیکن اس کی باقیات کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ نتیجتاً ان لوگوں کو گوناگوں مسائل کا سامنا ہے۔ علاوہ ازیں سامراجیت اب نیو ورلڈ آرڈر کی صورت میں ایک نیا روپ دھارے ہوئی ہے۔ چنانچہ غریب ملکوں کے اندرونی معاملات' ان کی پالیسیوں بالخصوص خارجہ اور تجارتی پالیسی سازی پر طاقتور امیر ممالک کو اثر و نفوذ حاصل ہے۔ نتیجتاً تیسری دنیا کی ترقی پذیر اقوام کے لئے استحصالی نظام کسی نہ کسی شکل میں اب بھی موجود ہے۔

بین الاقوامی تعلقات میں نسلی' لسانی اور تہذیبی امتیازات کی بنا پر اقوام کا استحصال ہوتا رہا ہے۔ سیاہ فام افریقی ریاستوں اور جنوبی افریقہ کے باشندوں کو سفید فام اقلیتی حکومت کے خلاف ایسی ہی شکایات رہی ہیں۔ سیاہ فام حکومت کے قیام کے بعد اب وہاں حالات تبدیل ہو رہے ہیں۔ لیکن اب بھی افریقہ کے بیشتر ممالک میں سفید فام اقوام کے طاقتور مفاداتی گروہ مقامی وسائل پر قابض ہیں۔ خود امریکہ کے اندر ماضی قریب میں سیاہ فام باشندوں کے خلاف امتیازات روا رکھے جاتے تھے جس کے ردعمل کے طور پر وہاں حکومت کو امن عامہ سے متعلق مسائل درپیش رہے۔ سفید فام اقوام کو موجودہ عالمی نظام میں برتر حیثیت حاصل ہے جب کہ سیاہ فام اور رنگ دار اقوام مقابلتاً کمزور ہیں۔ چنانچہ سفید فام اقوام کے اندر احساس برتری موجود ہے جس کا اظہار مختلف شکلوں میں ہوتا رہتا ہے۔ کمزور اقوام اپنی محرومیوں کو مالعموم نسلی امتیازات پر مبنی پالیسیوں کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ عالمی

۵۔ صنعت و تجارت و ترقی: گلوبلائیزیشن کے اس دور میں کوئی قوم بھی مکمل طور پر معاشی اعتبار سے خود کفالت سے ہمکنار نہیں۔ معاشی شعبہ میں بالخصوص اقوام عالم کے مابین باہمی اشتراک و تعاون فروغ پذیر ہے۔ صنعتوں کے لئے خام مال کی فراہمی' تیار مال کی کھپت' کوالٹی کنٹرول اور باہمی مسابقت جیسے پہلوؤں کے باعث نئے نئے عالمی ضابطے' طور طریقے اجاگر ہوئے ہیں اور بااختیار ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ آج ترقی پذیر ممالک کے اندر بھی معاشی ترقی' ملکی وسائل سے استفادہ' وافر سہولتوں کی فراہمی اور خوشحال زندگی کے حصول کی شدید خواہش بیدار ہو چکی ہے۔ چنانچہ کم ترقی یافتہ ممالک کے لوگ اپنی مہارتوں کو بڑھانے اور تکنیکی ترقی سے استفادہ کرنے کی خاطر ترقی یافتہ اقوام کے دست نگر ہیں۔ گلوبلائیزیشن کے اس عمل میں عالمی معاشی جہتیں نیا روپ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ سامراجیت ایک نیا روپ اختیار کرتی جارہی ہے۔ کثیر قومیتوں پر مبنی بڑی بڑی کارپوریشنیں ملکی سرحدوں سے پار معاشی سرگرمیوں میں فعال ہو چکی ہیں جب کہ ان کے وسائل اور اثر و رسوخ عام ممالک کی حکومتوں سے بھی زیادہ ہے۔ گاٹ GATT اور اس کے بعد ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن WTO جیسے عالمی تجارتی معاہدوں نے ایک ایسا تانا بانا ترتیب دے دیا ہے جس کے تحت دنیا کے ملکوں کو مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ درآمدی محصولات Tarrif میں کمی کریں تاکہ ملکی اشیاء کا ملکی سرحدوں کے پار آزادانہ تبادلہ ہو سکے۔ اس مقصد کے لئے دنیا کے مختلف خطوں کے اندر تجارتی معاہدات کروائے گئے ہیں جیسا کہ ASEAN, NAFTA, OPEC, LAFTA, CACM, ECM, EC, SAARC وغیرہ

معاشی ترقی کی خاطر ہر ملک اپنی معیشت کو گلوبلائیزیشن کے اس عمل سے وابستہ کرتا چلا جارہا ہے اور اس طرح وہ ترقی یافتہ امیر صنعتی ممالک کی بالواسطہ سرپرستی کے نظام کا اسیر بن جاتا ہے۔ بیرونی سرمائے سے پابندیاں ہٹانے' زرمبادلہ کا کنٹرول ختم ہونے اور ٹیرف میں کمی کرنے کے باعث ترقی پذیر ممالک کی معیشتیں مغربی ممالک کی صنعتی اشیاء کے سیلاب تلے دب کر رہ جاتی ہیں۔ مشرق بعید کے بعض ممالک کے حالیہ معاشی بحران کے پس پشت ایسے ہی سامراجی عزائم کار فرما رہے ہیں۔ چنانچہ نیا عالمی معاشی ڈھانچہ جو گلوبلائیزیشن' نجکاری' آزاد روی اور منڈی کی معیشت پر استوار ہے' ترقی پذیر معیشتوں پر اس کے تہذیبی' سیاسی و ثقافتی مضمر اثرات سے پہلو تہی نہیں کی جاسکتی۔ بلاشبہ کھلے پن اور مسابقت کے اس معاشی نظام میں اشیاء کی کوالٹی بہتر ہوتی ہے' پیداوار اور کارکردگی میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور لاگت میں بھی کمی واقع ہوتی ہے۔ نیز اقوام ایک دوسرے کے مادی اور انسانی وسائل سے استفادہ کر سکتی ہیں۔ لیکن عدل و انصاف پر مبنی مسابقت اور آزاد روی کا نظام چند تحفظات کا متقاضی ہے جو کہ اس نظام میں مفقود ہیں۔

پسماندہ اور غریب ممالک درآمدی محصولات سے مستثنیٰ خطوں Tarrif-free Zones کے قیام کے باعث اپنی ملکی اشیاء کو تحفظ نہیں دے سکتے اور کھلے مقابلہ کی اس فضا میں ترقی یافتہ صنعتی

رکھنے کی بجائے اپنے عالمی مفادات کو ہی پیش نظر رکھتا ہے۔ کشمیریوں کے حق خود ارادیت کے حصول کی جدوجہد میں تو اقوام متحدہ کی منظور شدہ قراردادوں کے مطابق وہاں رائے شماری نہیں کرائی جا سکی۔ جب کہ مشرقی تیمور کی انڈونیشیا سے علیحدگی کے لئے حال ہی میں وہاں رائے شماری کروا کر علیحدگی کی راہ ہموار کر دی گئی۔ اس سارے عمل میں مغربی طاقتوں کا کردار قابل اعتراض تھا۔ اقوام متحدہ کو مغربی دنیا کے مفاد میں مالیاتی ایجنسیوں اور NATO کی قوت کا بے دریغ استعمال کرنے کا لائسنس حاصل ہے۔ المختصر اس قسم کی صورت حال میں ریاست کے اقتدار اعلیٰ کا تصور محل نظر ہو چکا ہے۔ ترقی پذیر ممالک کی بیشتر سیاسی قیادتیں جائزیت Legitimacy یعنی اپنی قانونی و اخلاقی حیثیت کو تسلیم کرانے کے سلسلہ میں امریکہ کی سرپرستی کے حصول میں سرگرم عمل رہتی ہیں۔ اس قسم کی صورت حال میں اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت اقوام عالم کی مساوی حیثیت کو تسلیم کرنا یا ملکوں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کا اصول اب قصہ ماضی بنتا نظر آ رہا ہے۔ تاہم اس ساری صورت حال کے باوجود مستقبل میں قومی ریاستی نظام کے اپنی ڈھیلی ڈھالی صورت میں موجود رہنے کا امکان ہے۔ نیز بین الاقوامی تعلقات میں ریاستوں کے ساتھ ساتھ غیر ریاستی ایکٹرز یعنی سپر نیشنل گروپ بھی فعال رہیں گے۔ جب کہ اقوام کے مابین باہمی اشتراک و تعاون اور رابطوں کی نئی نئی شکلیں ابھرتی رہیں گی۔

۴۔ آبادی کا دباؤ: بڑھتی ہوئی انسانی آبادی اپنے ساتھ متعدد مسائل اور نئے نئے تقاضوں کو جنم دینے کا باعث بنتی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات پر آبادی کا دباؤ کئی پہلوؤں سے اثر انداز ہوتا ہے۔ بعض صورتوں میں آبادی کا پھیلاؤ سامراجی عزائم کی تکمیل کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جنگ عظیم سے قبل جرمنی اور جاپان نے اپنی آبادی کی دوسرے علاقوں تک دسترس کے لئے دوسرے ممالک کے خلاف جارحیت پر مبنی اقدامات کئے اور اس طرح دنیا کو تباہ کن عالمی جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا۔ دور حاضر میں ایشیا میں یہ مسئلہ گھمبیر صورت اختیار کرتا جا رہا ہے جہاں قومی وسائل پر بڑھتی ہوئی آبادی کا بوجھ مسلسل بڑھ رہا ہے۔ جب کہ دوسری طرف ملکی وسائل نئے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے اور وسیع آبادی کی کفالت کرنے کی صلاحیت سے عاری نظر آتے ہیں۔ تیسری دنیا کے متعدد ممالک جہالت، افلاس، خوراک کی کمی اور بیماریوں کی روک تھام جیسے مسائل سے دوچار ہیں۔ امیر صنعتی ممالک کی طرف آبادی کی منتقلی کی راہ بھی تیزی سے مسدود ہو رہی ہے۔ چنانچہ اعداد و شمار مستقبل کی گھناؤنی تصویر پیش کرتے ہیں۔ تنگ دستی اور حالات کے جبر کے تحت ترقی یافتہ ممالک کے خلاف غریب اقوام کی طرف سے نفرتوں اور کھنچاؤ کی کیفیت میں اضافہ ہو گا۔ خدشہ ہے کہ قومی مفادات کا اس قسم کا ٹکراؤ کہیں اندوہناک عالمی منظر کی کیفیت کا مستقل طور پر آئینہ دار نہ بن جائے۔

آزادی سے ہمکنار ہوئیں۔ بلاشبہ قومی یکجہتی، قومی تعمیرِ نو اور جذبہ یگانگت کے فروغ میں نیشنلزم نے اہم کردار ادا کیا۔ لوگوں کو ان کی اجتماعی شناخت اور قومی مقاصد کے شعور سے ہمکنار کیا۔ لیکن یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ اقوام عالم کے مابین قومی مفادات کا ٹکراؤ، جنگوں، تصادم اور ظلم و استحصال کا پیش خیمہ بھی بنا۔ طاقتور اقوام نے دوسری اقوام پر اپنی بالادستی قائم کرنے اور جوع الارض کی خواہش کی تسکین کے لئے دنیا میں سامراجی و نو آبادیاتی نظام مسلط کئے رکھا۔ وطنی قومیت کے مضر اثرات کی علامہ اقبالؒ نے اپنے ان اشعار میں یوں وضاحت کی ہے:

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے — تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے — کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

رنگ و نسل اور قومی مفادات کے حصول کے نام پر تصادم کے باعث دنیا کو اسی صدی میں دو تباہ کن عالمی جنگوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مزید برآں ملکی سرحدوں کے اندر بھی قومی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا مسئلہ بھی لادینیت پر قائم نیشنلزم کا ہی شاخسانہ ہے۔

دور حاضر میں اگرچہ قومی مفادات کے حصول کی حیوانی و فطری جبلت کو قابو کرنے کے لئے عالمی اقدار اور شعور کی نشوونما ہوئی ہے۔ نیز اس مقصد کی خاطر عالمی ادارے اور طور طریقے بھی اجاگر ہو چکے ہیں۔ تاہم طاقتور اقوام مروجہ عالمی نظام میں بالادست ہیں اور انہیں بہت سی مراعات حاصل ہیں۔ عالمی نظام اور قومی مفادات کے دائرہ عمل کا تعین کرنے کے سلسلہ میں اعاعت و وابستگیوں کے تانے بانے میں اعتدال برقرار رکھنے کا مسئلہ ہنوز توجہ طلب ہے۔ مستقبل میں نیشنلزم بین الاقوامیت کی حقیقی روح کی بیداری کی راہ میں حائل رہے گا۔ نیز قومی مفادات کے حصول کی دوڑ دھوپ میں سامراجیت نئی نئی شکلیں اختیار کرتی رہے گی۔

۳۔ قومی ریاستی نظام اور اقتدار اعلیٰ: ریاست کے اقتدار اعلیٰ کا ایسا روایتی تصور جو خود کفالت اور لاتعلقی پر مبنی ریاستی نظام کے شاخسانہ کے طور پر ابھرا، دور حاضر کے آفاقیت Globalisation اور بین الاقوامیت کے دور میں قابل عمل نہیں رہا۔ تہذیبی بالخصوص مواصلاتی ترقیوں اور واحد سپر طاقت کی بالادستی سے عبارت Unipolarity دنیا میں ریاست کے اقتدار اعلیٰ کا روایتی تصور نظرثانی کا محتاج بن کر رہ گیا ہے۔ دور حاضر میں ہر ریاست کے بیرونی دنیا سے تعلقات اور لین دین میں تیزی سے اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس نئے عالمی نظام کے اندر امریکہ قومی حق ارادیت، جمہوریت اور بنیادی انسانی حقوق جیسے اصولوں کے تحفظ کا علمبردار بنا ہوا ہے۔ ان اصولوں کی خلاف ورزی کے دعوے کی آڑ لے کر وہ ملکوں کے خالصتاً اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔ چنانچہ کانگرس کے بنائے گئے پالیسی قوانین کے تحت امریکہ مختلف اقدامات کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہے۔

جب کہ ان اصولوں کی پاسداری کرنے میں بھی امریکہ غیر جانبداری اور عدل و انصاف کو مدنظر

فوری طور پر توجہ طلب ہیں۔ ان مسائل کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ بین الاقوامیت کے ان پہلوؤں سے ہے: جنگ و جدل، نیشنلزم، ریاستی نظام اور اقتدار اعلیٰ کا روایتی تصور، افزائش آبادی اور اس کا دباؤ، صنعت و تجارت اور ترقی، سامراجیت اور نوآبادیاتی نظام اور اس کی باقیات، لسانی و نسلی امتیازات اور آخری پہلو آفاقی فکر کی ترویج اور اس کی سمتوں سے متعلق ہے۔

۱۔ جنگ و جدل و تصادم: اقوام عالم کے مابین ابتدائے آفرینش سے ہی جنگ و جدل اور باہمی تصادم کی کیفیت کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہے۔ مستقبل میں بھی اس کے امکانات کو یکسر نظرانداز کر دینا حقیقت شناسی نہیں بشرطیکہ اس کی کوئی غیر معمولی متبادل صورت اجاگر ہو جائے۔ جنگ کے مقاصد خیر و شر اور حق و باطل دونوں پہلوؤں کے آئینہ دار رہے ہیں۔ دور حاضر میں اس کے رونما ہو جانے کی صورت میں فوائد کے مقابلہ میں نقصانات کہیں زیادہ ہیں۔ موجودہ جنگ کو چھوٹے پیمانہ پر محدود رکھنے کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ مقامی یا علاقائی سطح پر لڑی جانے والی کوئی بھی جنگ کسی بھی وقت عالمی امن و سلامتی کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔ نیوکلیائی و کیمیائی ہتھیاروں اور دور مار بلاسٹک میزائلوں کی ایجادات کے باعث جدید جنگیں ہلاکت خیزی اور تباہی و بربادی کے اعتبار سے لامتناہی ہو چکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سدباب کے لئے ہر ممکن اقدام کیا جا رہا ہے۔ بلاشبہ اب اقوام عالم کو ایسی جنگ کی تیاری کرنا پڑتی ہے جو کوئی بھی لڑنا نہیں چاہتا۔ ہر قوم کو اس بات کا پورا پورا ادراک ہے کہ جوہری جنگ کی صورت میں تباہی و بربادی سب کا مقدر بن جائے گی۔

جنگوں کو محدود اور کنٹرول کرنے کے لئے اگرچہ اقوام عالم عالمی اداروں اور دیگر تحفظات رائج کرنے کے ذریعہ پوری طرح سرگرم عمل ہیں۔ تاہم مقامی اور علاقائی سطح پر تصادموں کو مکمل طور پر روکنے کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ خیال ہے کہ قومی مفادات کے حصول کے لئے اقوام کی طرف سے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کا عمل کسی نہ کسی شکل میں جاری رہے گا۔ مثلاً مشرق وسطیٰ میں آئندہ آبی وسائل کی تقسیم کے بارے میں تصادم کی کیفیت پیدا ہو جانے کے امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ واضح ہو اس خطہ میں بیشتر دریا مثلاً نیل، دجلہ و فرات وغیرہ مختلف ممالک میں سے گزر کر ان کی زرعی آبپاشی کی ضرورتوں کو پوری کرتے ہیں۔ روز افزوں ترقیوں، آبادی کے دباؤ میں اضافہ اور زرعی ضرورتوں کے پیش نظر جوں جوں زیادہ پانی کی طلب پیدا ہو گی تو اس کے مضمرات کے طور پر قومی مفادات کا ٹکراؤ جنگوں کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

۲۔ نیشنلزم: دور جدید میں نیشنلزم محض ایک سیاسی تصور ہی نہیں رہا بلکہ اسے ایک سیاسی و روحانی عقیدہ اور جدید ریاستی نظام کی ٹھوس اساس کی سی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ مثبت پہلو کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نیشنلزم تیسری دنیا کے لوگوں کے لئے حصول آزادی کا پیامبر بن کر ابھرا۔ بیسویں صدی میں قومی حق ارادیت، کے اصول کی بنا پر تیسری دنیا میں متعدد اقوام

بین الاقوامی نظام دوراہے پر

International System at the Cross Roads

پروفیسر ڈاکٹر محمد سرور

روایتی قومی ریاستی نظام پر استوار عالمی نظام دور حاضر میں اپنی انتہائی شکل میں روبہ عمل ہے۔ ماضی میں یہ نظام "توازن طاقت" Balance of Power کا آئینہ دار رہا ہے جس کا ڈھانچہ سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد زیر و زبر ہو کر رہ گیا۔ تاہم تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں آج بھی قومی ریاستوں کا وجود اس نظام کے اندر ایک اٹل حقیقت کی حیثیت سے قائم و دائم ہے۔ تکنیکی ترقیوں اور عالمی اشتراک و تعاون میں فروغ نے اس کے بنیادی ڈھانچوں میں زبردست تبدیلیاں برپا کی ہیں۔ حتیٰ کہ ریاستی اقتدار اعلیٰ State Sovereignty کا تصور بھی اب بدلا بدلا سا نظر آتا ہے۔ پرانے مسائل نئی شکل میں ابھر رہے ہیں۔ انسان کے پاس علم' وافر وسائل' سہولتیں اور نئی نئی مہارتیں آگئی ہیں جن کے ذریعہ وہ کروڑوں زندگیوں کو آسودگی سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہی کے توسط سے تباہی و ہلاکت کا سامان بھی کیا جا سکتا ہے۔ بعض مسائل دن بدن گھمبیر صورت اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں جب کہ درپیش خطرات میں اضافہ ہو گیا ہے۔ یعنی جوں جوں دنیا ایک وحدت کی طرف گامزن ہے مسائل بھی اسی تناسب سے گہرے اور وسیع لااثرات بنتے چلے جا رہے ہیں۔ جوہری پھیلاؤ کا خطرہ الگ سروں پر لٹک رہا ہے۔

بین الاقوامیت کے مسائل

بین الاقوامی معاشرہ کو مختلف النوع مسائل کا سامنا ہے جو ہر آن بدلتے ہوئے عالمی حالات میں انسانی گرفت اور عقل و خرد کے لئے چیلنج بنے ہوئے ہیں۔ اوتھانٹ جو جنوری ۱۹۷۲ء میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بنے' انہوں نے چار بڑے درجوں کی صورت میں ان کی نشاندہی کی ہے۔ اس کے مطابق پہلے درجہ میں ایسے مسائل آتے ہیں جو اقوام عالم کے مابین فکری یا سیاسی نوعیت کے اختلافات کا شاخسانہ ہیں اور اس بنا پر وہ تصادم اور کھنچاؤ کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ جب کہ معاشی عدم مساوات اور طبقاتی امتیازات سے پیدا ہونے والے سماجی و معاشی نوعیت کے مسائل تو لاتعداد ہیں جو دنیا کے لوگوں کے مابین تصادم اور مخاصمت کی سی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اقوام عالم کے مابین نسلی' لسانی اور تہذیبی امتیازات کے باعث بھی تلخیاں اور کھنچاؤ کی سی صورت حال پیدا ہوتی ہے جس سے غلط فہمیاں اور مخاصمت کو فروغ ملتا ہے۔ اوتھانٹ کے خیال میں نو آبادیاتی نظام کی باقیات بھی اقوام کے مابین تعلقات میں کشیدگی اور امتیازات میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں۔

تجزیہ و تحقیق کی خاطر دانشوروں نے اس ضمن میں آٹھ خصوصی مسائل کی نشاندہی کی ہے جو

International System At The Cross Roads: An Overview

Muhammad Sarwar

In this work, the writer depicted his views on the future world order. According to the author:

In the new world order, traditional problems are emerging in new guise with different dimensions. Man has been endowed with tremendous resources, skills and refinement. On the negative side, he has developed equal potential to improve weapons of total destruction. Emphasis is increasingly placed on the refinement on unconventional weapons and effective methods of delivery by piloted planes or guided missiles, improvement of early warning systems, interception devices of key equipment and variety of armaments.

The advancement has been paralleled with equal number of new thorny problems with wider ramifications. These include: The treatment of imminent warfare and that of nuclear proliferation, issue of destructive nationalism, state sovereignty and its compatibility with a global order and socio-economic problems emanating from population explosion. The wealthy nations have developed a new form of imperialism.

The disparities between the rich and the poor nations have reached at alarming point. Technological factors are proving decisively important, involving the use of substitutes, the development of synthesis and alloys, the utilization of inferior ores and the use of different new sources of energy. These have given, of course, an edge to the developed nations in the distribution of the world resources.

The underlying changes that are bound to occur in future within the elements of national power and thereby the future give way to "Clash of civilizations". The contention is that the future clash between the civilizations may take the form of rivalry between the western and the Muslim Civilizations. Nevertheless, it

does not rule out the possibility of peaceful coexistence between the West and the world of Islam.

In the last portion of this article, the author suggested certain steps that can help promote international peace and tranquility. In this, context, he hinted the enforcement of international peace and the promotion of global cooperation as a multi-dimensional phenomena which should be addressed through continuous efforts with full vigor, devotion, commitment and missionary zeal. This needs a subtle combination of an attitude of moderation, idealism and realism.